مطبوعات

تاریخ افکار و سیاسیاتِ اسلامی تالیف جناب عبدالوحید خاں صاحب بی اے ایل ایل بی ضخامت ۶ سو صفحات۔ قیمت فی جلد ۵ روپے۔ ملنے کا پتہ: ۹۶ لاٹوش روڈ لکھنؤ۔

اس کتاب میں اسلام کے معیار کو سامنے رکھ کر مسلمانوں کی گذشتہ تاریخ کا محاسبہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور یہ دکھایا گیا ہے کہ اس معیار کے لحاظ سے پچھلی تیرہ صدیوں میں ہمارا کارنامہ کس حد تک اور کن کن پہلوؤں سے کوتاہ رہا ہے، کوتاہی کے اسباب کیا رہے ہیں، کہاں کہاں سے کس کس شکل میں خرابیاں آئیں اور ان کے اثرات کیا ہوئے، اصلاح کے لیے مختلف ادوار میں کیا کوششیں کی گئیں، اور آیندہ احیاء ملت کے لیے کیا کرنا چاہیے۔

جہاں تک نفس موضوع اور اس کے مقصد اور اس کی ضرورت کا تعلق ہے، کسی صحیح الفکر مسلمان کے لیے اس سے اختلاف کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ ایک کڑوا گھونٹ ہے لیکن اسے حلق سے اتارنا ہی پڑے گا اگر ہمیں تجدید و احیاء دین کی راہ میں واقعی کوئی قدم اٹھانا ہے۔ ظاہر ہے کہ پچھلے زمانہ کے مسلمان اہل سیاست، اہلِ عسکر، اہلِ دولت، اہلِ علم، اہلِ فکر و اہلِ قلم، اہلِ سجادہ و خانقاہ اور عوام جو کچھ کرتے رہے ہیں وہ سب کا سب سراسر حق اور عین مطابق اسلام تو نہ تھا، غلطیاں اور کوتاہیاں بہر حال انھوں نے کیں، ان کے ہر طبقے نے کیں، نہ کی ہوتیں تو آج مسلمان اس حال کو پہنچتے ہی کیوں۔ پھر اگر ہم اُن کی چھوڑی ہوئی میراث میں سے صحیح اور غلط، اچھے اور بُرے، مفید اور نقصان دہ عناصر کو الگ نہ کریں، اور اسلاف پرستی کے غلط جذبہ سے پاک ہو کر گذشتہ نسلوں کی اچھی چیزوں کی قدر کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ان کی غلطیوں کو سمجھنے اور ان سے بچنے اور ان کے بُرے اثرات کو دور کرنے کی بھی کوشش نہ کریں، تو آخر اصلاح کیونکر ہو اور نصب العین

کی طرف قدم کیسے بڑھے۔ اسلاف پرستی کی نظر سے تاریخ کو دیکھنے اور سراہنے اور اگلوں کی چھوڑی ہوئی پوری میراث کو عقیدت کے ساتھ سر پر اٹھا لینے کا نتیجہ آخر اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ جو کچھ پہلے سے ہوتا آیا ہے وہی آئندہ بھی ہوتا رہے اور تاریخ جس راستہ پر چلتی ہوئی موجودہ انحطاط کے مقام تک ہمیں لائی ہے اسی پر ہم آگے مزید انحطاط کی طرف بڑھتے چلے جائیں؟ پس جہاں تک نفس تنقید کا تعلق ہے اس معاملہ میں مؤلف کا اقدام بجائے خود قابل قدر ہے، اور وہ لوگ جو اس اقدام کو "تعن اخوھن ہ اولٰہ منہ دلھا" کا مصداق قرار دے کر مولف کو اس بات پر مطعون کر رہے ہیں کہ اس نے سرے سے اگلوں پر تنقید کی جرأت ہی کیوں کی، ان کو ہم ہرگز حق بجانب نہیں سمجھتے۔

البتہ یہ صحیح ہے کہ مولف نے جو کام اپنے سر لیا ہے اس کے لیے اُس سے بہت زیادہ علم و واقفیت اور حزم و احتیاط کی ضرورت تھی جس کا اظہار ان کی کتاب سے ہو رہا ہے۔ انھوں نے حقائق دین کے بیان میں اکثر جذباتی اور جوشیلی شاعرانہ زبان استعمال کی ہے جو ان مضامین کو بیان کرنے کے لیے موزوں نہیں ہے۔ تاریخی حیثیت سے ان کا بیان متعدد مقامات پر غیر صحیح ہے، اور بحیثیت مجموعی اچھا خاصا مبالغہ آمیز ہے۔ ایک عام ناظر ان کی کتاب کو پڑھتے ہوئے اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ پچھلی صدیوں میں چند گنتی کے افراد کو مستثنیٰ کر کے ساری امت گمراہ رہی ہے۔ سب سے زیادہ جو چیز نگاہ میں کھٹکتی ہے وہ کتاب کا وہ حصہ ہے جس میں تفسیر، حدیث اور فقہ پر بحث کی گئی ہے۔ ان موضوعات پر اول تو براہ راست معلومات حاصل کرنے کے ذرائع مؤلف کو حاصل نہ تھے، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ان پر قلم نہ اٹھاتے۔ لیکن اس پر مزید بدقسمتی یہ ہے کہ انھوں نے حصول معلومات کے لیے جن ذرائع پر اعتماد کیا وہ سب سے کم قابل اعتماد ہو سکتے تھے۔ ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ حصہ لکھ کر مؤلف نے خود اپنے آپ کو بھی ان غلط کاروں میں شامل کر دیا جن پر نکتہ چینی کرنے کے لیے انھوں نے قلم اٹھایا تھا۔